ناصر زیدی، پٹنہ (بہار)

جمہوریہ اسلامی ایران اور امام خمینیؒ

دُنیا میں عظیم شخصیتوں کے آنے کا سلسلہ ہمیشہ جاری رہا، اور کبھی بھی یہ سلسلہ بند نہیں ہوا۔ ایسی بلند ہستیاں کبھی روحانی اور مذہبی پیشوا بن کر آئیں، جنھیں پیشوائے دین اور اوتار کہا گیا اور کبھی صرف مادّی اور دنیاوی رہبر بن کر، جنھیں سیاسی رہنما اور حکمراں کہا گیا۔ ان میں بے شمار ایسے بھی گذرے جو انقلاب کے بانی کہلائے یا انقلاب لائے۔ یہ انقلاب کبھی ملک گیری کی ہوس میں آیا، کبھی ظلم وتشدد کے خلاف اُبھر آیا، کبھی توسیع پسندی کا جذبہ کارفرما رہا اور کبھی قومیت ووطنیت کے خیالات ونظریات کی بنا پر اُبھرا۔ غرض دنیاوی سیاست کا ہر شعبہ وقت کے تقاضوں کے تحت اپنے اپنے رنگ وآہنگ کا انقلاب لاتا رہا اور مختلف ناموں سے ظاہر ہوا۔ مثلاً معاشی انقلاب، صنعتی انقلاب، فوجی انقلاب اور اسی قسم کے دوسرے انقلابات وجود میں آئے۔

یوں تو انقلاب اسے بھی کہا گیا کہ جب کسی بادشاہ نے دوسرے ملک پر حملہ کیا اور اسے اپنے قبضہ میں لے لیا تو وہاں کے باشندوں نے الناس علی دین ملوکھم کے اصول پر اس حکمراں کے دین کو بھی اپنا لیا۔ حالانکہ شہنشاہیت کبھی بھی اس امر کی متقاضی نہیں کہ وہ کسی مذہب کی پابند رہے۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ وہ اپنی ضرورتوں کو پورا کرنے کے لیے اور عوام کو اس کے ذریعہ اپنے قابو میں رکھنے کے لیے کسی ایک مذہب کو اپنی گرفت میں رکھتی ہے اور اس مذہب کو اپنے اصول ونظریات کے سانچے میں ڈھال لیتی ہے اور جب اس مذہب کے اثرات کو مائل بہ انحطاط پاتی ہے تو اس وقت جس مذہب کے افراد زیادہ قوی نظر آتے ہیں، وہی مذہب مقصد برآری کی خاطر اختیار کر لیتی ہے۔ گویا شہنشاہ یا شہنشاہیت پسند افراد مذہب

کے تابع نہیں ہوتے بلکہ کسی مذہب کو اپنا بنائے رکھتے ہیں۔ اِن صورتوں میں جو خارجی تبدیلیاں واقع ہوتی ہیں اسی کو انقلاب کا نام دیا جاتا ہے۔

لیکن انقلاب وہ ہے جو ذہنوں میں تبدیلیاں لائے، طریقۂ فکر کو کسی ایک مرکز کی طرف مرکوز کرے اور ایسی قلبِ ماہیت کرے کہ ملک و وطن کی قید سے آزاد ہو کر فکرِ انسانی غیر متبدل قانونِ فطرت اور نظریۂ حیات کا تابعِ فرمان ہو جائے جس سے بنی نوعِ انسان کے مادّی اور رُوحانی دونوں تقاضے کماحقہ پایۂ تکمیل تک پہنچ سکیں۔

عالمی سطح پر ایسے عظیم انقلاب میری نظر میں صرف دو ہیں۔ ایک تو وہ انقلاب جب خداوند عالم کے نور نے عالمِ تکوین میں حضور سرورِ کائنات فخرِ موجودات حضرت محمد مصطفیٰ علیہ التحیہ والثنا کی شکل میں ظہور کیا تو آپؐ کی حیاتِ طیبہ کے درمیان ہی اس عہد کے نامی گرامی بادشاہوں اور مشہور ممالک کے عوام تک پہنچا یا اور پھیل گیا۔ اور دوسرے چودہ سو سال کے بعد وہی انقلاب پھر احیائے دین کی خاطر امام خمینیؒ کے ہاتھوں وجود میں آیا جس کی تابناکیوں نے دنیا کے چپّے چپّے پر پہنچ کر اسلام کی سربلندی و سرفرازی کا پرچم لہرایا اور عوام کے دلوں کو آتشِ عشقِ الٰہی سے گرمایا۔

سچ تو یہ ہے کہ پندرہویں صدی اسلام کے لیے بڑے زبردست امتحان کی صدی ہے۔ نہ جانے یہ غیبی آواز کہاں سے بلند ہوئی کہ پندرہویں صدی اسلام کی صدی ہے۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ اس اعلان کے پیچھے کسی مافوق البشر طاقت کا ہاتھ ہے اور حالات گواہی دے رہے ہیں کہ واقعاً یہ صدی اسلام کی نشاۃِ ثانیہ کی صدی ہے جبکہ اس سے پہلے ہی دُنیا میں مسلمانوں کی آبادی ایک ارب سے زائد ہو چکی تھی، لیکن اسلام بھی اس منزل پر پہنچ چکا تھا کہ اب اگر اسے سنبھالا نہ ملتا تو شاید ہی نصف صدی کے بعد دنیا میں کہیں بھی روحِ اسلام جلوہ گر نظر آتی۔ اس لیے کہ گمراہی و ضلالت کی گھٹائیں حدودِ ممالک سے نکل کر عالمی سطح پر منڈلانے لگی تھیں۔ مسلمان ہر ملک اور ہر قوم کے درمیان پسپا اور ذلیل و خوار ہو رہے تھے اور اسلام

خطرے میں پڑ گیا تھا، لیکن:

فانوس بن کے جس کی حفاظت ہوا کرے
وہ شمع کیا بجھے جسے روشن خدا کرے

رحمتِ خداوندی کو جلال آیا اور قدرت نے بھی عالمی سطح پر اپنے دین کے تحفظ کے لیے اسباب مہیا کیے۔ مختلف مسلم ممالک میں اسلامی تحریکیں بقائے اسلام کی خاطر اُبھر آئیں۔ یہاں تک کہ وہ تحریکیں دیگر ممالک کے مسلمانوں کے دِلوں میں ہمدردی کا جذبہ پیدا کرنے لگیں اور ساری دنیا کے مسلمانوں میں ایک اضطراب اور ہیجانی کیفیت پیدا ہوگئی۔ ایسے حالات میں فرانس کی اسلام کش سرزمین پر ایک مردِ مجاہد نے شمع اسلام کی مدھم لو کو تیز کیا اور اتنا بلند کیا کہ رشکِ فرانس سرزمین ایران تک اس کی شعاعیں پہنچ گئیں اور یک بیک نورِ محمدیؐ کے جلووں سے سارا ایران جگمگا اُٹھا۔ یہ انقلاب دُنیا کا دوسرا انقلاب ہے جس نے صدرِ اسلام کے بعد وہی حالات و کوائف پیدا کر دیئے جو تکمیلِ اسلام کے وقت موجود تھے۔ اور تمام وہی اثرات نمودار ہوئے جو انقلاب اوّل کے وقت ظاہر ہوئے۔

رہبرِ انقلاب اسلامی آیت اللہ سیّد روح اللہ الموسوی امام خمینیؒ طاب ثراہ نے ایران کی ڈھائی ہزار سالہ شہنشاہیت کا قلع قمع کر دیا۔ اب یہ مسلم ممالک کے عوام کا فریضہ ہے کہ اپنے یہاں ایسا ہی نظام قائم کریں اور استکباری طاقتوں کے پنجوں اور شکنجوں سے نجات حاصل کریں۔ اپنے اندر ایسی طاقت پیدا کریں کہ ان کے ہر اقدام اور استکباری طاقتوں کے پنجوں اور شکنجوں سے نجات حاصل کریں۔ اپنے اندر ایسی طاقت پیدا کریں کہ ان کے ہر اقدام پر مخالفینِ اسلام لرزہ براندام نظر آئیں۔ جیسا کہ رُشدی علیہ اللعن پر توہینِ اسلام کے سلسلہ میں قتل کا فتویٰ صادر ہوا تو ساری دُنیا کے مسلمانوں نے ایک آواز ہو کر امام خمینیؒ کے اس فتویٰ کی پرزور تائید کی، احتجاجات ہوئے اور جلوس نکالے گئے۔

حقیقت یہ ہے کہ یہ انقلاب سال دو سال کی جدوجہد اور کاوشوں کا نتیجہ نہیں ہے اور

دنیا میں کوئی بھی انقلاب فوری ہنگاموں اور تشدد سے نہیں آتا، بلکہ ایک طویل عرصہ کی ریاضت ومحنت کا انجام ہوتا ہے۔

اسی طرح انقلاب اسلامی ایران کا بھی ایک طویل سفر ہے جس کی ابتدا کم از کم ۱۸۸۸ء سے ہوتی ہے جب تمباکو کی تجارت سے متعلق آقائے شیرازی کے فتویٰ کی وجہ سے عوام میں ایک انقلابی لہر دوڑ گئی تھی۔ اب تک ایران میں علماء اور حکمراں دونوں عوام کے درمیان اپنا مقام رکھتے تھے اور بظاہر کوئی شدید اختلاف رونما نہیں ہوا تھا لیکن تمباکو کی تجارت سے متعلق جب ناصر الدین شاہ قاچار سے انگریزوں کا معاہدہ ہوگیا تو اس زمانہ کے اعلم آقائے مرزا شیرازی کے فتویٰ ''قلیان کشیدن حرام است'' نے حکومت کے فرمان کو مفلوج بنا دیا۔ اور یہیں سے دین وسیاست میں جدائی کی بنیاد پڑ گئی۔ فاصلے بڑھتے گئے۔ قاچاری حکمراں مغرب کی آغوش میں پہنچ گئے۔ ایران لاوارثی کی زندگی گزارنے لگا۔

۱۹۲۴ء میں پھر انقلاب کا جھٹکا محسوس ہوا۔ قاچاری دور ختم ہوا۔ رضا خاں جو ایک معمولی فوجی تھا، اقتدار پر قابض ہوگیا اور اپنی جڑیں مضبوط کرنے کے لیے علماء سے کچھ ناقص معاہدے کیے، لیکن اس مشروطیت میں بھی اسلام دشمن رضا خاں اپنی من مانی کرتا رہا اور ایران میں پہلی مرتبہ ایسا ہوا کہ مغربی تہذیب کی پیروی میں سربراہ مملکت نے اپنی بیوی کو بے نقاب مجمع عام اور جلسوں میں لا کھڑا کیا۔ بے پردگی کو فروغ دیا عورتوں پر ظلم وتشدد کیا اور انھیں گمراہی پر بھی مجبور کیا۔ ۱۹۲۵ء میں مزاراتِ مقدسہ میں پناہ لینے والے اسلام پرست مردوں اور عورتوں پر بے دریغ گولیاں چلائی گئیں۔ مزاراتِ مقدسہ خصوصاً روضۂ امام رضا علیہ السلام پر گولے برسائے گئے۔ علماء کی پگڑیاں اچھالی گئیں۔ اس طرح بے دینی اور لامذہبیت کو رضا خاں نے بھرپور بڑھاوا دیا اور جب مغرب کو اس کی ضرورت نہ رہی تو جوہانسبرگ جلاوطن کرکے اس سے زیادہ مغرب زدہ اس کے بیٹے محمد رضا خاں کو برسر اقتدار لایا گیا جو یورپ اور امریکہ کی منڈی کا مال تھا، جس نے اقتدار میں آتے ہی اپنے آقاؤں کے اشارے پر چار سال کے بعد

ء ۱۹۵۴ء میں تیل کی صنعت کا نیشنلائزیشن عوام کو بیوقوف بنانے کے لیے کیا اور اس طرح امریکہ کے اقتدار کو ایران میں اور زیادہ مستحکم کیا، جس کی صورت یہ تھی کہ ذہین طبقہ کے افراد کو حصول تعلیم کے لیے فرانس، امریکہ اور برطانیہ وغیرہ بھیجا جانے لگا۔ اور جب وہ تعلیم حاصل کر کے واپس آئے تو مغربی تہذیب وتمدن اور اس سے قلبی لگاؤ کا غلاف اوڑھ کر اپنے وطن واپس آئے جہاں انھیں بڑے بڑے عہدوں اور تعلیمی اداروں پر مسلط کردیا گیا تاکہ تعلیمی اداروں کے ذریعہ ایران کے معاشرے اور تمدن کو مغرب کے سانچے میں ڈھال دیا جائے چنانچہ حکومت کی سرپرستی میں عوام مغربی شیشہ میں اترتے چلے گئے۔

۱۹۶۲ء میں اصلاحات ارضی کا بل پارلیمنٹ سے منظور ہوا جس کا سب سے بدترین رخ یہ تھا کہ اوقاف کو ختم کردیا گیا۔ ان اوقاف سے دین اسلام کی حفاظت کے امور روحانی حضرات انجام دیتے تھے۔ مدرسوں کے اخراجات اور تعلیمات اسلامی سے متعلق تمام ضروریات، سب کچھ کا دارومدار انھیں اوقاف پر تھا۔ اس لیے کہ حکومت کسی قسم کا تعاون کرنے کے عوض ہمیشہ دین اسلام اور اس کی قدروں کے استحصال میں مصروف رہی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ عوام دوحصوں میں منقسم ہوگئے۔ ایک مقتدر طبقہ، جس کی حکمرانی اعلیٰ اور ادنیٰ ہر سطح پر تھی۔ اور دوسرا روحانی طبقہ جو حکومت کے مظالم اور اپنی بے بسی سے بیحد متفکر اور پریشان تھا۔ ایران تمام مغربی برائیوں کا مرکز بن گیا۔ ہر طرح کی غلاظتوں کا ڈھیر ہر طرف نظر آنے لگا اور ان تمام تباہیوں کے لانے میں امریکہ سرورق تھا۔

محمد رضا خاں پہلوی کے بڑھتے ہوئے مغربی رجحانات کی زد میں سارا ایران آگیا۔ اس نے ملک میں موڈرنائزیشن اور لبرلائزیشن کی خاطر ظلم واستبداد کی انتہا کردی۔ ہزاروں بے گناہ افراد تہہ تیغ کردیے گئے۔ ہاتھ پاؤں سے لنج اور مفلوج بنا دیے گئے۔ آنکھوں میں لوہے کی گرم سلاخیں اتاری گئیں دیدے نکال دیے گئے، بجلی کے جھٹکے دیے گئے، بچوں کو ماؤں کے سامنے قتل کیا گیا۔ عورتیں بیوہ بنائی گئیں، شوہر کے سامنے عورتوں کی عصمت دری ہوئی،

جوانوں کو قعرِ مذلت میں دھکیلا گیا، شکنجوں میں جکڑ کر جسم کو ٹکڑے ٹکڑے کیا گیا، خون کی ندیاں بہائی گئیں، بے راہ روی، گمراہی اور بدکرداری کو بڑھاوا دیا گیا، ذرائع ابلاغ ریڈیو، اخبارات، ٹیلی ویژن اور فلموں کے ذریعے معاشرہ کو مغرب زدہ بلکہ اس سے بھی بدتر بنانے کی تمام تر کوششیں صرف کر ڈالی گئیں۔ عورتوں میں بداخلاقیوں کو پھیلانے کے لیے اس نے اپنے باپ کی روش اختیار کی۔ جیسا کہ اس نے اپنی سوانح حیات میں لکھا ہے:

"ترکی پہلا اور ایران دوسرا اسلامی ملک تھا جس نے پردے کے استعمال پر سرکاری طور پر پابندی عائد کی اور ہر سال ماہ دی کی ۱۷ تاریخ کو ایرانی عورتیں ایک جشن مناتی ہیں۔ جشن میرے والد کے ان بڑے کارناموں کی یاد میں منایا جاتا ہے جو انھوں نے ایرانی خواتین کی آزادی اور فلاح کے لیے انجام دیے۔" (وطن کے لیے میرے عزائم: ص ۲۶۴) [1]

اس طرح ایران اپنے مغربی آقاؤں سے بھی دو قدم آگے نکل گیا، لیکن ان حالات میں بھی صالح طبیعتیں ایران میں موجود تھیں۔ چنانچہ جب دوسری جنگ عظیم کی وجہ سے ہر طرف ابتری اور بے چینی پھیلی تو بعض عورتیں جو حکومت کی سختی کی وجہ سے مجبوراً پردہ نہیں کرسکتی تھیں، پھر اپنی اصلی حالت پر واپس آگئیں اور نقاب اوڑھنے لگیں۔ اگرچہ پردے پر قانونی طور پر پابندی لگادی گئی تھی اور یہ حال تھا کہ اگر کوئی عورت سڑک پر برقع اوڑھے نظر آتی تو جو بھی اس سے قریب تر پولیس کا سپاہی ہوتا فوراً وہاں پہنچ جاتا اور زبردستی برقع اُتار دیتا تھا، لیکن جنگ کی وجہ سے جو افراتفری پھیلی تو اسلام کی دبی ہوئی چنگاری پھر اُبھر کر سامنے آگئی، مگر یہ کیفیت زیادہ دنوں تک باقی نہیں رہی۔ محمد رضا خاں دولت کی فراوانی سے اندھا اور امریکہ کی دخل اندازی سے مغربی طاقتوں کے ہاتھ میں کٹھ پتلی بن کر رہ گیا تھا۔ یہودیوں کی تخریب کار ایجنسیاں سارے ایران میں پھیل چکی تھیں، اسلام کی قدروں کو پامال کرنے میں ایڑی چوٹی کا زور لگادیا، علماء کا قتل عام ہوا، اور ایران میں دو طبقے نمایاں طور پر اُبھر کر سامنے

آئے۔ ایک روحانی اور دوسرا اقتدار طبقہ۔

امام خمینیؒ یہ سب کچھ دیکھ رہے تھے۔ وہ اسلامی قدروں کی پامالی کو دیکھ رہے تھے۔ انھوں نے اپنے گردوپیش فداکارانِ اسلام کا ایک دانشور گروہ تیار کیا جن میں آقائے بہشتیؒ، آقائے مطہری، آقائے باہنری، آقائے دستِ غیب وغیرہ جیسی عظیم ہستیاں تھیں۔ انھیں میں ایک آقائے علی شریعتی بھی تھے اور ان سب کا کام درس وتدریس تھا۔ ایک منظم نظامِ تدریس قائم کیا، مسجدوں اور مدرسوں کو اسلامی تعلیمات کا مرکز بنا کر وہاں ایمان، تقویٰ، سیاست، اسلام اور جملہ ایسے علوم کی تعلیم دی جانے لگی جو عہدِ حاضر میں بقائے دین اور ارتقائے اسلام کے لیے لازم تھے۔ خود ایران میں استکباری سیاست کا جو جال بچھا ہوا تھا اس سے بھی عوام کو باخبر کرنے کے لیے انہی تعلیمی مراکز میں جدوجہد کی گئی۔

امام خمینیؒ کا مقصد یہ تھا کہ پوری دنیا میں اسلامی انقلاب نمودار ہو، ازبکستان جو کبھی ایران کا ہی ایک حصہ تھا، وہاں کے مسلمانوں میں اسلامی لہر دوڑ جائے، اسلام جو بہت پیچھے رہ گیا ہے، وہ آگے بڑھے۔ انھیں اس بات پر اعتمادِ کلی تھا کہ اسلامی نظام میں ہی ہر بحران کا صحیح حل موجود ہے۔ انھوں نے نیا طریقۂ فکر عطا کیا۔ کبھی افراد کو اپنی طرف نہیں بلایا بلکہ ہمیشہ حق اور باطل میں تمیز کراتے رہے۔ عوام کو صاحبِ بصیرت بنانے کی ترکیبیں اور کوششیں کیں، جس سے دانشوروں کا ایک ایسا گروہ پیدا ہوا جو امام خمینیؒ کا شیدائی بن گیا، اور ان کا بھرپور ساتھ دیا، ان میں جلال الاحمد نے اپنی تحریروں سے نظریۂ مغربیت کو مجروح کیا، اور مشرقی تہذیب و تمدن کی شناخت کرائی۔ ڈاکٹر علی شریعتی نے فلسفۂ اسلام اور اقتدارِ اسلام سے روشناس کرایا۔ اور یہ بتایا کہ اسلام منجمد نہیں بلکہ فعال ہے۔ شہید مطہری نے جملہ مسائل اسلام پر سینکڑوں کتابیں اور رسالے لکھ ڈالے اور طلباء میں اسلامی طرزِ معاشرت کی نئی روح پھونک دی۔ شہید محراب آقائے دستِ غیب نے احکام شرعیہ کی گتھیاں اس طرح سلجھائیں کہ طلباء نے ان سے بھرپور استفادہ کیا۔ اس طرح ہر ایک نے امام خمینیؒ کے اسلامی انقلاب کی تحریک کو اپنی خدمات سے

تقویت پہنچائی اور انقلاب کی راہیں ہموار کیں۔

آخر وہ وقت آ گیا کہ انقلاب نے ایران کے دروازے پر دستک دی۔ عوام نے انقلاب کو لبیک کہا۔ شاہ گھبرا اُٹھا، مارشل لا نافذ کیا اور ساٹھ ہزار سے زیادہ ایرانی عوام کو چشم زدن میں امریکہ کی تربیت یافتہ ''ساواک'' نامی شاہی فوج کے ذریعہ موت کی آغوش میں سلا دیا۔

مگر انقلاب نہ رُکا اور قریب سے قریب تر آ گیا۔ محمد رضا خان جان بچا کر فرار ہو گیا اور اپنے مغربی ایجنٹ شاہ پور بختیار کو اقتدار سونپ گیا۔

آخر میں چند لفظوں میں یہ عرض کر دوں کہ امام خمینیؒ صرف اتنا ہی نہیں چاہتے تھے کہ وہ اسلام جو بہت پیچھے رہ گیا ہے اسے آگے بڑھائیں، بلکہ ان کے سامنے ساری دُنیا کے مظلوم اور کمزور عوام بھی تھے جنھیں بڑی طاقتیں کچل رہی تھیں اور دنیا میں کوئی بھی ایسا نہیں جو ان کو اس مصیبت سے نجات دلا سکے۔

امام خمینیؒ نے بڑی طاقتوں کو اچھی طرح پہچان لیا تھا۔ اس لیے انھوں نے کبھی بھی امریکہ سے کسی سطح پر مصالحت کی نہیں سوچی اور آخر تک اس کے خلاف دنیا کے کمزور طبقہ کو متحد ہو کر مقابلہ کے لیے آمادہ کرتے رہے۔

دوسری چیز اُن کے پیشِ نظر وحدت المسلمین کا مسئلہ تھا جس سے اب یقیناً مسلمانوں کا بچہ بچہ واقف ہو چکا ہے۔ وہ اپنے اس مقصد میں یقیناً کامیاب ہوئے اور آج جبکہ وہ ہمارے درمیان نہیں لیکن راہِ خدا میں جہاد کرنے والا کبھی فنا نہیں ہوتا۔ آج بھی ان کی رُوح ہماری رہبری کر رہی ہے اور انشاء اللہ جیسے جیسے ہمارے اذہان دُنیا کے مسلم کش طریقہ کار سے واقف ہوتے جائیں گے ویسے ویسے ہم مسلمان ایک دوسرے سے قریب ہوتے چلے جائیں گے اور ہم ساری دنیا میں اپنے اتحاد کا ثبوت پیش کر کے رہیں گے۔ ہم ایک، ہمارا خدا ایک، ہماری کتاب ایک، ہمارے نبیؐ ایک اور آج اپنے نبیؐ کے بتائے ہوئے راستہ پر چل کر ہمیں

بیدار کرنے والا اور وحدت المسلمین کا نعرہ بلند کرنے والا بھی ایک ہے۔ چنانچہ سلمان رُشدی کی کتاب کے معاملہ میں جب اس کے واجب القتل ہونے کا فتویٰ صادر ہوا تو ساری دُنیا کے مسلمانوں نے متفقہ طور پر اس فتویٰ کا خیر مقدم کیا، اسلام دشمن عناصر کے کلیجہ پر سانپ لوٹ گیا اور عبداللہ بن ابی جیسے منافقین کے چہرے سے نقاب اُلٹ گئی۔

بے شک لاشرقیہ لاغربیہ جمہوریہ اسلامیہ کی آواز بلند کرنے والے، آیۂ وحدت المسلمین کا نعرہ بلند کرنے والے اور عالمِ انسانیت کو مستکبرین و مستضعفین جیسے اصلاحی و علامتی الفاظ سے موسوم فرما کر ظالم و مظلوم کے درمیان حدِ فاصل قائم کرنے والے امام خمینیؒ زندہ باد، انقلاب اسلامی زندہ باد اور اسلام زندہ باد۔

❀❀❀